16- غزل

میر تقی میر (۱۷۲۳ء ــــــ ۱۸۱۰ء)

مقاصد تدریس

ا۔ میر اور ان کے عہد زریں میں، اُردو غزل کے ارتقا سے طلبہ کو آگاہ کرنا۔
۲۔ طلبہ کو میر تقی میر اور ان کے انداز بیان سے متعارف کرانا۔
۳۔ سہل ممتنع کے معنی و مفہوم سے روشناس کرانا اور اُردو غزل سے اس کی مختلف مثالیں دینا۔

شاعر کا تعارف

حالات زندگی: میر محمد تقی اصل نام جبکہ میر تخلص تھا۔ والد کا نام میر علی متقی تھا۔ آپ آگرے (بھارت) میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد کے مرید اور منہ بولے بھائی سید امان اللہ سے حاصل کی۔ ابھی میر تقی میر چھوٹے ہی تھے کہ والد اور امان اللہ کا انتقال ہو گیا۔ روزگار کی تلاش میں آپ آگرہ چھوڑ کر دلی چلے آئے اور یہاں ایک نواب کے ہاں ملازمت کر لی۔

خدائے سخن: میر تقی میر نے مختلف اصناف شعر میں طبع آزمائی کی لیکن غزل گوئی ہی ان کی پہچان بنی۔ آپ کو خدائے سخن کہا جاتا ہے۔ خلوص، درد و غم، ترنم اور سادگی کی بدولت ان کی غزلیں دل پر بہت اثر کرتی ہیں۔ آپ یقیناً غزل کے بادشاہ ہیں۔ آپ کی شاعرانہ عظمت کا اعتراف بڑے بڑے شعرا نے بھی کیا ہے۔ بابائے اردو ڈاکٹر مولوی عبدالحق نے میر کو "سرتاج شعرائے اردو" قرار دیا ہے۔ میر کی آخری عمر تنگ دستی اور بیماری میں بسر ہوئی۔

تصانیف: میر کی تصانیف میں ایک خود نوشت "ذکرِ میر"، ایک تذکرہ "نکات الشعرا"، ایک فارسی اور چھے اردو دواوین شامل ہیں۔

اشعار کی تشریح

شعر نمبر 1:

ہستی اپنی حباب کی سی ہے
یہ نمائش سراب کی سی ہے

حل لغت

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
ہستی	وجود۔ زندگی	سراب	ریتلی زمین کی چمک جس پر پانی کا دھوکا ہوتا ہے۔ دھوکا ہی دھوکا	کی سی	کی طرح، کی مانند
حباب	پانی کا بلبلہ			نمائش	دکھاوا

مفہوم: اپنی زندگی تو بلبلے کی طرح ہے۔ یہ نمائش اور دکھاوا تو سراب کی مانند ہے۔ زندگی کو پانی کے بلبلے اور نمائش کو سراب سے تشبیہ دی گئی ہے۔

تشریح: میر کو خدائے سخن کہا جاتا ہے۔ آپ کی شاعری درد و غم اور زندگی کی حقیقتوں پر مبنی ہے۔ آپ کے اشعار بہت پُر اثر ہیں۔ مذکورہ شعر میں زندگی کا فلسفہ بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ زندگی کیا ہے، یہ ایک بلبلہ ہے۔ جس طرح بلبلے کو دوام اور ہمیشگی نہیں اسی طرح زندگی بھی

عارضی ہے۔ بلبلے کو ذرا سی ٹھیس پہنچے یا معمولی سی ہوا ٹکرائے تو وہ اپنا وجود ختم کر بیٹھتا ہے۔ زندگی اس ریتلی زمین کی چمک ہے جس پر پانی کا دھوکا ہوتا ہے۔ پیاسے راہگیر سمجھتے ہیں کہ سامنے پانی ہے۔ وہ چلتے چلتے تھک جاتے ہیں لیکن دور دور تک پانی کا نام و نشان ہی نہیں ملتا۔ گویا انسانی وجود ایک دکھاوا ہے، حقیقت میں یہ کچھ بھی نہیں۔ دنیا کی تمام رونقیں عارضی ہیں اور دھوکے کے سوا کچھ نہیں۔ ہر مخلوق نے موت کا مزہ چکھنا ہے۔

قرآنِ مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

''اور دنیا کی زندگی تو محض کھیل اور تماشا ہے۔''

یہ دنیا آزمائش کے لیے بنائی گئی ہے۔ دنیا کی ہر چیز محض دھوکہ ہے۔ اس دنیا میں ہر نعمت بھی آزمائش ہے۔ اس لیے دنیا میں دل نہیں لگانا چاہیے۔ بقول شاعر:

زندگی تجھ پہ بہت غور کیا ہے میں نے
تو صرف رنگ ہے رنگوں کے سوا کچھ بھی نہیں

جبکہ بہادر شاہ ظفر فرماتے ہیں:

لگتا نہیں ہے دل میرا اُجڑے دیار میں
کس کی بنی ہے عالمِ ناپائیدار میں

شعر نمبر 2:

نازکی اُس کے لب کی کیا کہیے
پنکھڑی اِک گلاب کی سی ہے

حلِ لغت:

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
نازکی	نزاکت۔ ملائمت	لب	ہونٹ	پنکھڑی	پھول کی پتی
گلاب	ایک پھول	اک	ایک	کی سی	کی مانند۔ کی طرح

مفہوم: محبوب کے لب کی ملائمت کے کیا کہنے، بس گلاب کے پھول کی ایک پتی ہے۔

تشریح: میر کی شاعری میں ترنم اور سادگی ہے۔ آپ غزل کے بادشاہ ہیں۔ آپ کی شاعرانہ عظمت کا اعتراف بڑے بڑے شعرا نے بھی کیا ہے۔ مذکورہ شعر میں کہتے ہیں۔ اپنے محبوب کے حسن و جمال اور خوب صورتی کی تعریف کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ میرا محبوب حسین و جمیل ہے۔ اس کے ہونٹ گلاب کے پھول کی پتی کی طرح نرم و نازک، ملائم، پتلے اور خوب صورت ہیں۔ ہونٹوں کی جتنی تعریف کی جائے کم ہے۔ یہ نرم و نازک اور سُرخی لیے ہوئے ہیں۔

شاعر نے اپنے محبوب کے ہونٹ کو گلاب کے پھول کی ریشم کی طرح نرم و ملائم پنکھڑی سے تشبیہ دے کر، اپنے محبوب کی بے مثال خوبصورتی و نزاکت کی ایک ادنیٰ سی مثال پیش کی ہے۔ عشق میں مبتلا ہو کر عاشق کو اپنے محبوب کی ہر شے اچھی لگتی ہے۔ عموماً شاعر اپنے اشعار میں محبوب کی آنکھوں، ہونٹوں، تھوڑی کے گڑھے، رخسار، تل اور قد کی تعریف کرتے نظر آتے ہیں۔ بقول شاعر:

یاد ہے وہ آنکھیں، رخسار وہ ہونٹ
زندگی جس کے تصور میں لٹا دی ہم نے

آتش اپنے محبوب کے تھوڑی کے گڑھے کی تعریف یوں کر رہے ہیں۔

زنخداں سے آتش محبت رہی
کنویں میں اپنے دل ڈبویا کیا

شعر نمبر 3:

چشمِ دل کھول اس بھی عالم پر
یاں کی اوقات خواب کی سی ہے

حل لغت:

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
چشم	آنکھ	عالم	دنیا	یاں	یہاں
خواب	سپنا۔نیند۔خیال	اوقات	وقت کی جمع۔زمانے۔حیثیت	سی	جیسی

مفہوم: فکرِ آخرت بھی کرو۔ یہاں کی زندگی تو عارضی ہے۔زندگی کو خواب سے تشبیہ دی گئی ہے۔

تشریح: میر کی شاعری میں دردوغم اور زندگی کے دُکھ سموئے ہوئے ہیں۔مذکورہ شعر میں کہتے ہیں۔اے انسان! تو اس دنیا کی رنگینیوں میں کھوگیا ہے۔فضول کاموں اور کھیل تماشوں میں گم ہوکر خدا کو بھول بیٹھا ہے۔عقلمندی ودانائی سے کام لے۔غور کر کہ یہاں کی زندگی عارضی ہے۔اس کی کوئی حیثیت ہی نہیں ہے۔اس لیے فکرِ آخرت کر اور اللہ کی عبادت کر کے اس کا محبوب بندہ بن جا۔

دراصل اس شعر میں شاعر نے دنیاوی زندگی کو ایک خواب جیسی کیفیت کا نام دیا ہے اور انسان کو خواب غفلت سے بیدا ہو کر فکرآخرت کرنے کا درس دیا ہے کہ اُخروی زندگی ہی اصل میں دائمی زندگی ہوگی، یہ دنیا کی زندگی تو خواب کی مانند ہے اس لیے انسان کو چاہیے کہ دنیا کی زندگی میں نہ کھویا رہے بلکہ آخرت میں کامیابی وکامرانی کے لیے ہر ممکن کوشش کرے۔میر کا یہ شعر فکرِ آخرت کے بارے میں عالمگیر سچائی کا حامل ہے۔بقول شاعر:

ظاہر کی آنکھ سے نہ تماشا کرے کوئی ہو دیکھنا تو دیدۂ دل وا کرے کوئی

حدیث شریف۔''مرجاؤ مرنے سے پہلے'' اس کا مطلب یہ ہے کہ مرنے سے پہلے اُس عالم کا مشاہدہ کرلیا جائے جہاں ہم نے مرنے کے بعد جانا ہے۔اس عالم کا مشاہدہ باطنی آنکھ کھولے بغیر ممکن نہیں ہے۔اسی لیے علامہ اقبال فرماتے ہیں:

دل بینا بھی کر خدا سے طلب آنکھ کا نور دل کا نور نہیں

شعر نمبر 4:

بار بار اُس کے در پہ جاتا ہوں
حالت اب اضطراب کی سی ہے

حل لغت:

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
دَر	دروازہ۔چوکھٹ	حالت	کیفیت	اضطراب	بےقراری۔بےچینی

مفہوم: بےقراری کا عالم یہ ہے کہ میرے بار بار محبوب کے ہاں جاتے ہوئے بھی ختم ہونے کا نام ہی نہیں لیتی۔

تشریح: میر ایک قادر الکلام شاعر ہیں۔اُن کی غزلوں میں دکھ اور اضطراب کی کیفیت پائی جاتی ہے۔مذکورہ شعر میں کہتے ہیں کہ میں محبوب سے ملاقات کے لیے اس کے دروازے پر بار بار جارہا ہوں لیکن دلی خواہش پوری نہیں ہورہی۔اس کی بےرخی نے پریشان سا کردیا ہے۔ناکامی میرا مقدر بن گئی ہے اور محبوب سے مل نہیں پارہا۔میں نے بھی اسے ملنے کے لیے بار بار جانا نہیں چھوڑا۔اس امید پر کہ شاید مل جائے' اس کی چوکھٹ پر مسلسل حاضری دے رہا ہوں۔اب طبیعت میں ایک بےچینی سی ہے۔میں بےاختیار میرے قدم محبوب کے کوچے کی جانب بڑھتے ہیں۔محبوب کی بےرُخی سے دل مضطرب ہے اور کسی پل چین وقرار نصیب نہیں۔

عشق انسان کو مضطرب اور غم زدہ بنادیتا ہے۔بقول شاعر:

کہا میں نے اُن سے کہ دل مضطرب ہے جواب اُن کا آیا محبت نہ کرتے

عشق میں انسان بار بار محبوب کے دیدار کے لیے اس کے گلی کوچوں اور دروازے کی چوکھٹ کا طواف کرتا ہے۔ انسان کو خود معلوم نہیں ہوتا کہ اُس کی حالت اتنی بے چین کیوں ہے۔ بقول داغ دہلوی

تیرے کوچے اس بہانے مجھے دن سے رات کرنا
کبھی اس سے بات کرنا کبھی اُس سے بات کرنا

شعر نمبر 5:
میں جو بولا ، کہا کہ یہ آواز
اسی خانہ خراب کی سی ہے

حل لغت

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
خانہ خراب	اُجڑا ہوا۔ تباہ و برباد۔ آوارہ	خانہ	گھر۔ مکان

مفہوم: محبوب بڑا ظالم اور بے وفا ہے عاشق کی آواز سنتے ہی مشتعل ہو جاتا ہے۔ عاشق کو ویران کھنڈر سے تشبیہ دی گئی ہے۔

تشریح: اس شعر میں ہماری اُردو شاعری کے روایتی موضوع کی ترجمانی کی گئی ہے۔ شاعر میر تقی میرؔ اپنے محبوب سے کہتے ہیں کہ میں نے تجھ سے بات کرنے کے لیے زبان کھولی تو تُو نے پہلے کی طرح بے رُخی دکھائی' بات تک نہ کی۔ تیرا باتیں نہ کرنا میرے لیے پریشان کن تو تھا ہی لیکن جب تو نے یہ کہا کہ یہ آواز اسی آوارہ و پریشان حال (عاشق) کی ہے تو میرے دل پر چھریاں چل گئیں۔ گویا میری آواز سن کر کوئی جواب نہ دینا اور بے رُخی کا برملا اظہار کرنا تو ایک طرف تیرا، مجھے آوارہ مزاج کے نام سے پکارنا میرے لیے مزید دکھ اور تکلیف کا باعث بنا ہے۔ بقول شاعر:

اپنا سمجھ کے جس کے لیے میں اُجڑ گیا کل رات جا رہا تھا کسی اجنبی کے ساتھ

شاعر کی خستہ حالت محبوب سے عشق کی بنا پر ہوئی ہے۔ مگر شاعر کے بولنے پر محبوب کا یوں مذاق اُڑانا اور اُسے خانہ خراب کہنا شاعر کو دُکھی کر گیا ہے۔

تیری محفل سے اُٹھاتا مجھے اغیار کی جرأت نہ تھی
دیکھا تجھے تو تُو نے بھی اشارہ کر دیا

شعر نمبر 6:
آتشِ غم میں دل بھُنا شاید
دیر سے بُو کباب کی سی ہے

حل لغت

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
آتش	آگ۔ جلن	آتش غم	دکھوں کی آگ	کباب	گھی میں تلی ہوئی قیمے کی ٹکیاں' مراد جلا ہوا

مفہوم: غم کی آگ میں جلتے جلتے عاشق کا دل کباب ہو جاتا ہے کیونکہ اس میں سے کباب کی مہک آتی ہے۔

تشریح: میر تقی میر کی تمام زندگی تنہا اور غموں میں گزری۔ فکر معاش نے کہیں کا نہ چھوڑا۔ نازک طبعی نے اُنہیں کہیں بھی سکھ کا سانس نہ لینے دیا مذکورہ شعر میں کہتے ہیں۔ محبوب کی جدائی' زمانے کی تکلیفوں اور دشمنوں کے ظلم و ستم سے پریشان حال و غمزدہ عاشق دکھوں کی آگ میں رات دن جلتا رہتا ہے۔ اک آگ سی ہے جو سینے میں لگی ہوئی ہے۔ دل ہے کہ غم کے شعلوں میں بھنتا جا رہا ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ کافی

دیر سے دل کے جلنے کی بُو اس طرح آ رہی ہے جیسے کباب کی آتی ہے۔ گویا غموں اور دکھوں کی اس آگ کی تیز آنچ نے دل کو اپنی لپیٹ میں لے کر جلانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی اور دل جل کر کباب ہو چکا ہے۔ اس شعر میں میر تقی میر نے اپنے محبوب کے مظالم بیان کرنے کے لیے ایک منفرد انداز اختیار کیا ہے۔ بقول شاعر:

اے شمع! دل جلوں سے تیرے نصیب اچھے
تُو تو اک بار ہی جلی ہے اور میں برسوں سے جل رہا ہوں

ایک شاعر نے دل جلنے کا تذکرہ اس طرح کیا ہے۔

اے شمع! ذرا ہٹ کے جل میرے مزار سے
میں تو خود ہی جل رہا ہوں دل بے مُراد سے

شعر نمبر 7:

میر اُن نیم باز آنکھوں میں
ساری مستی شراب کی سی ہے

حل لغت

الفاظ	معنی	الفاظ	معنی
نیم باز	آدھی کھلی	مستی	نشہ۔خمار۔مدہوشی

مفہوم: اے میر! محبوب کی اَدھ کھلی آنکھوں میں شراب کا سا خُمار ہے اور مست آنکھوں میں شراب جیسا اثر ہے۔

تشریح: شاعر میر تقی میر اپنی اس غزل کے مقطع میں کہتے ہیں کہ ان کا محبوب شوخ و چنچل ہے۔ اس کی آدھی کھلی آنکھوں میں شراب جیسی مدہوشی چھلکتی ہے۔ محبوب کی دل لبھانے والی یہ ادا بھلی لگتی ہے۔ وہ سنگدل سہی مگر اس کی مخمور نگاہیں شاعر کا دل لوٹ لیتی ہیں۔ دراصل محبت کرنے والے کو اپنے محبوب کی ہر ادا سے پیار ہوتا ہے اور وہ اپنے محبوب کی خوبصورتی اور ناز و ادا کا دیوانہ ہوتا ہے۔ اسی لیے میر تقی میر کو اپنے محبوب کا آدھی کھلی آنکھوں سے دیکھنا بھی بہت بھاتا ہے اور اسے محبوب کی آنکھوں میں شراب کا سا خمار محسوس ہوتا ہے وہ کہتے ہیں جیسے شراب پینے والا مدہوش ہو جاتا ہے اسی طرح میرے محبوب کو ایک نظر دیکھنا بھی شراب کے نشے سے کم نہیں۔ احمد فراز ایسی آنکھوں کے بارے میں کہتے ہیں۔ بقول احمد فراز:

اُن کی آنکھوں کو کبھی غور سے دیکھا ہے فراز
سونے والوں کی طرح جاگنے والوں جیسی

اور ایک شاعر اپنے محبوب کی آنکھوں کی تعریف اس طرح کرتے ہیں۔

جھیل اچھی ہے کنول اچھا ہے کہ جام اچھا ہے
تیری آنکھوں کے لیے کونسا نام اچھا ہے

حل مشقی سوالات

ا۔ مختصر جواب دیں۔

(الف) اس غزل میں ردیف کون سے الفاظ ہیں؟

جواب: اس غزل میں ردیف الفاظ "کی سی ہے" ہیں۔

(ب) اس غزل میں استعمال ہونے والے کوئی سے چار قافیوں کی نشاندہی کریں۔

جواب: اس غزل میں استعمال ہونے والے چار قافیے یہ ہیں: حباب۔سراب۔کباب۔گلاب

(ج) دوسرے شعر میں ہونٹوں کو کس سے تشبیہ دی گئی ہے؟

جواب: ہونٹوں کو گلاب کی پنکھڑی سے تشبیہ دی گئی ہے۔

(د) میر نے "نیم باز آنکھوں کی مستی" کو کیا قرار دیا ہے؟

جواب: میر نے "نیم باز آنکھوں کی مستی" کو شراب کی مستی قرار دیا ہے۔

(ہ) شاعر "اضطراب" کی حالت میں کیا کرتا ہے؟

جواب: شاعر اضطراب کی حالت میں محبوب کے در پر بار بار جاتا ہے۔

۲۔ درج ذیل الفاظ کے معانی لکھیں اور جملوں میں استعمال کریں۔

ہستی، حباب، سراب، اوقات، اضطراب، خانہ خراب، نیم باز، مستی

جواب:

الفاظ	معانی	جملے
ہستی	وجود۔ زندگی	ہستی دو روزہ کا کیا بھروسا، نیک کام کرو۔
حباب	بلبلہ	تالاب میں پتھر گرنے سے بننے والے حباب پل بھر میں مٹ گئے۔
سراب	دھوکا ہی دھوکا	زندگی ایک سراب ہے، کسی کو دوام نہیں۔
اوقات	حیثیت	کسی بھی شخص کو اوقات سے بڑھ کر کام نہیں کرنا چاہیے۔
اضطراب	بے چینی	بچے کے گم ہونے پر گھر والوں کا اضطراب بڑھتا ہی چلا گیا۔
خانہ خراب	تباہ و برباد	تو نے تو اس منصوبے کا خانہ خراب ہی کر دیا ہے۔
نیم باز	آدھی کھلی ہوئی	محبوب کی نیم باز آنکھوں میں شراب کا سا خمار دکھائی دیتا ہے۔
مستی	نشہ۔ خمار	پولیس کو دیکھتے ہی ڈاکو کی ساری مستی جاتی رہی۔

۳۔ کالم (الف) میں دیے گئے الفاظ کو کالم (ب) کے متعلقہ الفاظ سے ملائیں۔

کالم (الف)	کالم (ب)	کالم (ج)
ہستی	خانہ خراب	حباب
نمائش	شراب	سراب
پنکھڑی	گلاب	گلاب
آنکھیں	نیم باز	نیم باز
حالت	کباب	اضطراب
دل	حباب	کباب
مستی	سراب	شراب
آواز	اضطراب	خانہ خراب

۴۔ درج ذیل مرکبات، مرکب کی کون سی قسم ہیں؟

چشمِ دل، اُس کے لب، آتشِ غم، اُس کا در

جواب: چشمِ دل، اُس کے لب، آتشِ غم، اُس کا در مرکب اضافی ہیں۔

۵۔ اس غزل کے مطلع اور مقطع کی نشاندہی کریں۔

جواب: مطلع: ہستی اپنی حباب کی سی ہے
یہ نمائش سراب کی سی ہے

مقطع: میرؔ اُن نیم باز آنکھوں میں
ساری مستی شراب کی سی ہے

۶۔ مذکر اور مؤنث الگ الگ کریں۔

ہستی، حباب، نمائش، سراب، لب، بُو، کباب، مستی، شراب

جواب: مذکر: حباب، سراب، لب، کباب
مؤنث: ہستی، نمائش، بُو، مستی، شراب

۷۔ اعراب لگا کر تلفظ واضح کریں:

حباب، سراب، نمائش، چشم دل، عالم، اضطراب، آتش غم، نیم باز

جواب: حَبابْ۔ سَرابْ۔ نُمائِش۔ چَشْمِ دِل۔ عالَم۔ اِضْطِراب۔ آتِشِ غَم۔ نِیم بازْ

۸۔ متن کے مطابق درست لفظ کی مدد سے مصرعے مکمل کریں۔

(الف) نازکی اس کے .... کی کیا کہیے
(ب) پنکھڑی اک .... کی سی ہے
(ج) ہستی اپنی .... کی سی ہے
(د) بار بار اس کے .... پہ جاتا ہوں

جوابات: (الف) لب (ب) گلاب (ج) حباب (د) در

غزل: لغت میں غزل کے معنی "عورتوں سے باتیں کرنا" (سخن بازنان گفتن) یا عورتوں کی باتیں کرنا (سخن از زنان گفتن) کے ہیں۔ اصطلاح میں غزل شاعری کی وہ قسم ہے جس میں حسن و عشق کے موضوعات اور تجربات پیش کیے جاتے ہیں۔ غزل کے لہجے میں موسیقی اور ترنم کے عناصر ہوتے ہیں۔ غزل میں مخصوص علامتیں ہوتی ہیں جو غزل کو دوسری اصناف سے ممتاز کرتی ہیں۔ غزل میں حسن و عشق کے ساتھ ساتھ تصوف، اخلاق اور حیات و کائنات کے مضامین بھی ملتے ہیں۔

غزل کے پہلے شعر کے دونوں مصرعے ہم قافیہ اور ہم ردیف ہوتے ہیں۔ باقی اشعار کے ہر دوسرے مصرعے میں قافیہ موجود ہوتا ہے۔ غزل کا آخری شعر مقطع کہلاتا ہے، بشرطیکہ شاعر نے اس میں اپنا تخلص برتا ہو۔

غزل کی ایک انفرادی خصوصیت یہ ہے کہ اُس کا ہر شعر موضوع کے اعتبار سے مکمل ہوتا ہے۔ اس حوالے سے وہ دوسرے اشعار کا محتاج نہیں ہوتا۔

مطلع: مطلع کے معنی نکلنے کی جگہ یا نکلنا کے ہیں۔ اصطلاح میں غزل یا قصیدے کے پہلے شعر کو مطلع کہا جاتا ہے چونکہ غزل یا قصیدہ اس شعر سے شروع ہوتا ہے۔ مطلع کے دونوں مصرعے ہم قافیہ اور ہم ردیف ہوتے ہیں۔ جن شعروں میں یہ التزام نہ ہو وہ اشعار مطلع نہیں کہلاتے۔ مطلع کی چند مثالیں دیکھیں:

فقیرانہ آئے صدا کر چلے
میاں! خوش رہو ہم دعا کر چلے

....

جہاں تیرا نقشِ قدم دیکھتے ہیں
خیاباں خیاباں ارم دیکھتے ہیں

....

لگتا نہیں ہے جی مرا اُجڑے دیار میں
کس کی بنی ہے عالمِ ناپائیدار میں

مقطع: مقطع کے لغوی معنی ختم کرنے یا کاٹنے کے ہیں۔ اصطلاح میں مقطع غزل کے آخری شعر کو کہا جاتا ہے۔ جس میں شاعر اپنا تخلص استعمال کرتا ہے۔ جس شعر میں شاعر اپنا تخلص استعمال نہ کرے اسے غزل کا آخری شعر کہا جائے گا' مقطع نہیں۔ مقطع کی چند مثالیں دیکھیں:

کیوں نے عرضِ مضطرب مومنؔ
صنم آخر خدا نہیں ہوتا

....

اب تو جاتے ہیں بُت کدے سے میرؔ
پھر ملیں گے اگر خدا لایا

....

شاید اسی کا نام محبت ہے شیفتہؔ
اِک آگ سی ہے سینے کے اندر لگی ہوئی

سرگرمیاں

۱۔ میرؔ کی اس غزل کو زبانی یاد کریں اور اپنی کاپی میں لکھیں۔

جواب: عملی کام۔

۲۔ میر تقی میرؔ کی کوئی اور معروف اور آسان غزل اپنی کاپی میں لکھیں۔

جواب:

غزل

میر دریا ہے سنے شعر زبانی اس کی
اللہ اللہ رے طبیعت کی روانی اس کی

مینہ تو بوچھار کا دیکھا ہے برستے تم نے
اسی انداز سے تھی اشک فشانی اُس کی
بات کی طرز کو دیکھو تو کوئی جادو تھا
پر ملی خاک میں کیا سحر بیانی اس کی
سرگزشت اپنی کس اندوہ سے شب کہتا تھا
سو گئے تم نہ سنی آہ! کہانی اس کی
آبلے کی سی طرح ٹھیس لگی، پھوٹ بہی
درد مندی میں گئی ساری جوانی اس کی
اب گئے اس کے جُز افسوس نہیں کچھ حاصل
حیف صد حیف! کہ کچھ قدر نہ جانی اس کی

۳۔ جماعت کے کمرے میں اس غزل کی درست آہنگ کے ساتھ بلند خوانی کی جائے۔

جواب: عملی کام۔

اشارات تدریس

۱۔ **غزل کی ہیئت کے بارے میں بتایا جائے۔**

جواب: **غزل:** لغت میں غزل کے معنی "عورتوں سے باتیں کرنا" یا "عورتوں کی باتیں کرنا" کے ہیں۔ اصطلاح میں غزل سے مراد وہ شاعری ہے جس میں حسن و عشق کے موضوعات اور تجربات پیش کیے جاتے ہیں۔

غزل کے عناصر: غزل کے لہجے میں موسیقی اور ترنم کے عناصر ہوتے ہیں۔ غزل کی مخصوص علامتیں غزل کو دوسری اصناف سے ممتاز کرتی ہیں۔

غزل کے مضامین: غزل میں حسن و عشق کے ساتھ ساتھ تصوف، اخلاق اور حیات و کائنات کے مضامین بھی ملتے ہیں۔

غزل کی انفرادیت: غزل کی انفرادیت یہ ہے کہ اس کا ہر شعر موضوع کے اعتبار سے مکمل ہوتا ہے۔ دوسرے اشعار کی مدد سے اپنے موضوع کی تکمیل نہیں کرتا۔

غزل کے پہلے شعر کے دونوں مصرے ہم قافیہ اور ہم ردیف ہوتے ہیں۔ باقی اشعار کے دوسرے مصرے میں قافیہ ہوتا ہے۔

مطلع: مطلع کے معنی نکلنے کی جگہ یا نکلنا کے ہیں۔ اصطلاح میں غزل یا قصیدے کے پہلے شعر کو مطلع کہا جاتا ہے۔ مطلع کے دونوں مصرے ہم قافیہ اور ہم ردیف ہوتے ہیں۔

مقطع: مقطع کے لغوی معنی ختم کرنے یا کاٹنے کے ہیں۔ اصطلاح میں مقطع غزل کے آخری شعر کو کہا جاتا ہے جس میں شاعر اپنا تخلص استعمال کرتا ہے۔

۲۔ **اُردو غزل کے ابتدائی اور ارتقائی دور کا مختصر ذکر کیا جائے۔**

جواب: **اُردو غزل کا ابتدائی اور ارتقائی دور:** امیر خسرو اُردو زبان کے پہلے شاعر سمجھے جاتے ہیں۔ اُردو شاعری کے ابتدائی دور میں دکن کے صوفیا اور عوام نے زیادہ اہم کردار ادا کیا۔ دکن کا سلطان قلی قطب شاہ اُردو کا پہلا صاحب دیوان شاعر ہے۔ ان کے علاوہ اُس دور

کے شعرا میں محمود، فیروز اور ملا وجہی شامل ہیں۔

ولی دکنی: ولی دکنی کو اُردو شاعری کا باوا آدم کہا جاتا ہے۔ ولی کی شاعری میں حسن اور حسن سے والہانہ لگاؤ نظر آتا ہے۔ ولی کے فن میں خارجیت اور بیانیہ انداز کی فراوانی ہے۔ یہ خارجیت دکن کے اَدبی ماحول کے زیرِ اثر پروان چڑھی۔

جلوہ گر جب سے وہ جمال ہوا
نور خورشید پائمال ہوا
نشۂ سبزۂ خطِ خوباں
والی عالمِ خیال ہوا

خواجہ میر دَرد: خواجہ میر دردؔ اُردو شاعری میں ایک یکتا اور بے مثل صوفی شاعر ہیں۔ انھوں نے تصوف کو شعریت سے ہم آہنگ کیا۔ وہ اُردو کے اولین صوفی شاعر ہیں۔ اُردو شاعری میں ان کی بدولت تصوف کی روایت شامل ہوئی۔

تجھی کو جو یاں جلوہ فرما نہ دیکھا
برابر ہے دُنیا کو دیکھا نہ دیکھا
حجابِ رُخِ یار تھے آپ ہی ہم
کھلی آنکھ تو کوئی پردا نہ دیکھا

میر تقی میر: میر کی شاعری سے ہمیں اُس عہد کے تاریخی، سیاسی، معاشرتی اور سماجی و تہذیبی حالات کا ذکر ملتا ہے۔ میر نے دلّی کو اُجڑتے دیکھا۔ انسانی خون کو گلی کوچوں میں بہتے دیکھا، عظمتِ آدم کی حرمتوں کو پامال ہوتے دیکھا۔ اِسی لیے ان کے کلام میں اس پُر آشوب دور کی عکاسی ملتی ہے۔

دل کی ویرانی کا کیا مذکور ہے
یہ نگر سو مرتبہ لوٹا گیا

اجتماعی زندگی کا شعور میرؔ کے ہاں شاعرانہ صداقتوں کے روپ میں ملتا ہے۔ انھوں نے اپنی ذات ہی نہیں بلکہ عوام کے دکھوں کی بھی ترجمانی کی۔

کوئی نہیں جہاں میں جو اندوہ گیں نہیں
اس غم کدے میں آہ دلِ خوش کہیں نہیں

مرزا رفیع سودا: مرزا رفیع سوداؔ اُردو زبان کے پہلے شاعر ہیں، جنھوں نے شاعری میں "قصیدہ گوئی" کی ابتدا کی۔ اِسی بنا پر انھیں "قصیدہ گوئی" کا امام سمجھا جاتا ہے۔ میر تقی میر کی طرح مرزا رفیع سوداؔ کی شاعری میں بھی ہمیں اُس دور کے پُر آشوب حالات کا تذکرہ ملتا ہے۔

سودا کے جو بالیں پہ ہوا شورِ قیامت
خدامِ ادب بولے ابھی آنکھ لگی ہے

خواجہ حیدر علی آتش: نام حیدر علی اور تخلص آتشؔ تھا۔ دِلّی کے ایک معزز خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ آتشؔ غزل گو شاعر تھے۔ ان کی غزلوں میں تغزل، رجائیت، سادگی، سلاست، نادر تشبیہات و استعارات اور آتش بیانی جیسی خصوصیات پائی جاتی ہیں۔ آتشؔ کے کلام میں فقر و غنا، توکل، تصوف، دنیا کی بے ثباتی، قناعت پسندی اور اخلاقی مضامین کثرت سے دکھائی دیتے ہیں۔ آتشؔ کا کلیات اُس سارے کلام پر مبنی ہے جو مختلف اصنافِ سخن کی صورت میں موجود ہے۔

وہ گرم رو بادیہ عشق و جنوں ہوں
جلتا ہے چراغ آج میرے نقش قدم سے
جنوں میں خاک اُڑاتا ہے ساتھ ساتھ اپنے
شریک حال ہمارا غبار راہ میں ہے

نظیرؔ اکبرآبادی: نظیرؔ کا اصل نام ولی محمد ہے۔ چونکہ عمر کا زیادہ حصہ اکبرآباد میں گزارا اس لیے اکبرآبادی لکھتے ہیں۔ نظیرؔ اکبرآبادی نے میر، سودا، ناسخ، آتش اور انشا کا زمانہ دیکھا، لیکن اپنی آزاد طبیعت کے باعث سب سے الگ رہے انھوں نے عوامی شاعری کی اپنے ماحول، رسم ورواج اور تہذیب وتمدن کو شاعری میں بیان کیا۔ اس کے علاوہ اُن کی شاعری میں ہمیں منظر نگاری بھی انتہائی خوبصورتی کے ساتھ نظر آتی ہے۔ اُن کی زبان عام فہم اور سادہ ہے۔ ان کی شاعری کا کلیات اُردو ادب میں بہت اہمیت کا حامل ہے۔

مرزا اسداللہ خاں غالبؔ: مرزا غالبؔ اُردو شاعری میں بلند مقام کے حامل ہیں۔ اُن کی فنی عظمت کو ہر ایک نے تسلیم کیا ہے۔ ان کی شاعری میں انفرادیت، تنوع اور رنگارنگی پائی جاتی ہے۔ ان کی اُردو غزل میں طنز وظرافت، جدّت ادا، نئے الفاظ وتراکیب، مضامین کی رنگینی، تشبیہات واستعارات، وسعت نظر، معنی آفرینی اور تخیل کی بلندی جیسی اعلیٰ خصوصیات پائی جاتی ہیں۔

سب کہاں کچھ لالہ و گل میں نمایاں ہو گئیں
خاک میں کیا صورتیں ہوں گی کہ پنہاں ہو گئیں

بہادر شاہ ظفرؔ: بہادر شاہ ظفر مغلیہ سلطنت کے آخری بادشاہ تھے۔ ان کی بادشاہت کے وقت مغلیہ اقتدار تیزی سے ختم ہو رہا تھا۔ بہادر شاہ ظفرؔ نے شاعری میں غالبؔ اور ذوقؔ سے اصلاح لی۔

بہادر شاہ ظفرؔ نے تقریباً سبھی اصناف شاعری میں طبع آزمائی کی لیکن اُن کی پہچان غزل ہے۔ ان کی غزلوں میں سوز وگداز اور غم کے مضامین پڑھنے والوں کو متاثر کرتے ہیں۔

لگتا نہیں ہے دل میرا اُجڑے دیار میں
کس کی بنی ہے عالم ناپائیدار میں

علامہ محمد اقبالؒ: مفکرِ ملّت اور نظریۂ پاکستان کے خالق علامہ محمد اقبالؒ ہمارے قومی اور ملی شاعر ہیں۔ علامہ محمد اقبالؒ نے اُردو اور فارسی دونوں زبانوں میں پُراثر شاعری کی۔ انھوں نے اپنی شاعری کا آغاز غزل گوئی سے کیا۔ اقبالؒ کا دائرۂ فکر اور مشاہدۂ کائنات بہت وسیع تھا۔ اس کا اظہار ان کی شاعری کے متنوع موضوعات میں ہمیں نظر آتا ہے۔

بانگِ درا، بالِ جبریل اور ضربِ کلیم ان کی اُردو شاعری کی مشہور کتابیں ہیں۔

۳۔ اس غزل کے اشعار میں موجود تشبیہوں کی وضاحت کی جائے۔

جواب: دیکھیے اشعار کی تشریح اور مختصر سوالات۔

۴۔ طلبہ کو بتایا جائے کہ تمام شاعروں نے میر کی غزل گوئی کی عظمت کو تسلیم کیا ہے۔ اس سلسلے میں کم از کم غالبؔ کا یہ شعر لکھوایا جائے:

ریختے کے تمھی استاد نہیں ہو غالبؔ
کہتے ہیں اگلے زمانے میں کوئی میرؔ بھی تھا

جواب: میرؔ کو خدائے سخن کہا گیا ہے۔ انھوں نے مختلف اصناف شعر میں طبع آزمائی کی ہے مگر ان کی پہچان غزل گوئی ہے۔ وہ بلاشبہ غزل کے

بادشاہ ہیں۔ خلوص، درد وغم، ترنم اور سادگی کی بدولت ان کی غزلیں پُر اثر اور پُر سوز ہیں۔
ان کی شاعرانہ عظمت کا اعتراف نہ صرف ان کے ہم عصر شعرا نے کیا ہے بلکہ متاخرین نے بھی انھیں سراہا ہے۔ غالبؔ نے میرؔ کی غزل گوئی کی عظمت کو تسلیم کرتے ہوئے کہا:

ریختے کے تمھی استاد نہیں ہو غالبؔ
کہتے ہیں اگلے زمانے میں کوئی میرؔ بھی تھا

معروضی سوالات

☆ درست جواب کا انتخاب کریں۔

-1 غزل "ہستی اپنی حباب کی سی ہے" کے شاعر ہیں۔
(A) میر تقی میرؔ (B) غالبؔ (C) علامہ اقبالؔ (D) میر دردؔ

-2 آتشِ غم میں............ بجھا شاید۔
(A) جل (B) دل (C) تو (D) وہ

-3 قوافی کا واحد ہے:
(A) کافی (B) کافہ (C) کفیل (D) قافیہ

-4 یہ نمائش سراب کی سی:
(A) نہیں (B) تھی (C) ہے (D) ہوگی

-5 بار بار محبوب کے در پر جانے سے میر تقی میرؔ پر............... حالت طاری ہوتی ہے:
(A) شراب کی (B) غمی کی (C) اضطراب کی (D) خوشی کی

-6 "بار بار اُس کے در پہ جاتا ہوں" یہاں "اُس" سے مراد ہے۔
(A) محبوب (B) افسر (C) نوکر (D) بادشاہ

-7 میر تقی میرؔ کی وجہ شہرت ہے:
(A) مرثیہ (B) غزل (C) نظم (D) مثنوی

-8 جس شعر میں شاعر اپنا تخلص استعمال کرے اُسے کہتے ہیں۔
(A) مطلع (B) مقطع (C) عرف (D) کنیت

-9 میر تقی میرؔ کا سن پیدائش ہے۔
(A) 1720ء (B) 1725ء (C) 1728ء (D) 1735ء

-10 میر تقی میرؔ جس سن میں فوت ہوئے۔
(A) 1805ء (B) 1807ء (C) 1808ء (D) 1810ء

-11 میر کی غزل کے مطابق محبوب کی نیم باز آنکھوں میں مستی ہے:

(A) شراب کی (B) شرارت کی (C) جوانی کی (D) حیوان کی

-12 ''اضطراب'' کا متضاد ہے۔

(A) بے چینی (B) سکون (C) بے قراری (D) بے تابی

-13 شاملِ نصاب میر تقی میر کی غزل کس دیوان سے لی گئی ہے؟

(A) اوّل (B) دوم (C) سوم (D) چہارم

-14 بقول میر ''آتشِ غم میں بھنے دل سے بو آ رہی ہے:

(A) گوشت کی (B) شراب کی (C) کباب کی (D) کلیجی کی

-15 غزل کا پہلا شعر جس کے دونوں مصرعے ہم قافیہ ہوں کہلاتا ہے:

(A) مطلع (B) مقطع (C) ردیف (D) قافیہ

جوابات: 1- میر تقی میر 2- دل 3- قافیہ 4- ہے 5- اضطراب کی
6- محبوب 7- غزل 8- مقطع 9- 1725ء 10- 1810ء
11- شراب کی 12- سکون 13- اوّل 14- کباب کی 15- مطلع

☆ **مختصر جواب دیں۔**

-1 **شاعر نے ''لب'' کو کس کے ساتھ تشبیہ دی ہے؟**

جواب: شاعر نے ''لب'' کو گلاب کی پنکھڑی کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔

-2 **شاعر نے اپنے اضطراب کو کس طرح بیان کیا ہے؟**

جواب: شاعر نے کہا ہے وہ بے چینی، بے قراری اور اضطراب کے عالم میں بار بار اپنے محبوب کے در پر جاتا ہے۔

-3 **شاعر نے ہستی کو کس سے تشبیہ دی ہے؟**

جواب: شاعر کہتا ہے کہ انسان کی ہستی، انسان کی ذات بلبلے کی طرح ہے جو کسی بھی وقت ختم ہو سکتا ہے۔ انسانی زندگی کا دکھاوا تو محض ایک سراب ہے۔ اس کے سوا انسان کی حقیقت کچھ بھی نہیں ہے۔

-4 **شاعر نے آخرت کی اہمیت کو کس طرح بیان کیا ہے؟**

جواب: غزل کے تیسرے شعر میں شاعر کہتا ہے کہ دنیا کی رنگینیوں میں کھو کر تُو آخرت کو بھول بیٹھا ہے۔ اُس عالم کی بھی فکر کرو کیوں کہ اس زندگی کی حقیقت تو صرف ایک خواب کی مانند ہے۔

-5 **شاعر نے اپنے جلتے ہوئے دل کو کس سے تشبیہ دی ہے؟**

جواب: شاعر نے اپنے جلتے ہوئے دل کو کباب کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔ جس طرح گوشت کو آگ پر بھون کر کباب بنایا جاتا ہے اسی طرح اس کا دل غم کے شعلوں میں بھنا جا رہا ہے۔

-6 غزل کی تعریف لکھیں۔

جواب: لغت میں غزل کے معنی "عورتوں سے باتیں کرنا" کے ہیں۔ اصطلاح میں غزل شاعری کی وہ قسم ہے جس میں حسن و عشق کے موضوعات اور تجربات پیش کیے جاتے ہیں۔

-7 غزل کی انفرادی خصوصیت بیان کریں۔

جواب: غزل کی ایک انفرادی خصوصیت ہے کہ اُس کا ہر شعر موضوع کے اعتبار سے مکمل ہوتا ہے۔ اس حوالے سے وہ دوسرے اشعار کا محتاج نہیں ہوتا۔

-8 مطلع کسے کہتے ہیں؟

جواب: مطلع کے معنی نکلنے کی جگہ یا نکلنا کے ہیں۔ اصطلاح میں غزل یا قصیدے کے پہلے شعر کو مطلع کہا جاتا ہے۔

-9 مقطع کسے کہتے ہیں؟

جواب: مقطع کے لغوی معنی ختم کرنے یا کاٹنے کے ہیں۔ اصطلاح میں مقطع غزل کے آخری شعر کو کہا جاتا ہے، جس میں شاعر اپنا تخلص استعمال کرتا ہے۔

-10 شاعر نے اس دنیا کی زندگی کو کس سے تشبیہ دی ہے؟

جواب: شاعر نے اس دنیا کی زندگی کو خواب سے تشبیہ دی ہے۔

-11 "اُس بھی عالم پر" سے کیا مراد ہے؟

جواب: "اُس بھی عالم پر" سے مراد عالمِ آخرت ہے۔